

ایک اہم دینی تحریک

گزشتہ ماہ رجب کے اواخر میں مجھ کو دہلی سے متصل ایک علاقے میں جانے کا اتفاق ہو جو میوآ،

کے نام سے معروف ہے۔ ایک مدت سے سن رہا تھا کہ وہاں مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی کی رہنمائی میں خاموشی کے ساتھ ایک تحریک چل رہی ہے جس نے دس بارہ سال کے اندر اس علاقہ کی کایا پلٹ دی ہے۔ آخر کار شوق طلب نے مجھے مجبور کر دیا کہ خود جا کر حالات کی تحقیق کروں۔ اس سفر میں جو کچھ میں نے دیکھا اور جو نتائج میں نے اخذ کیے، میں جانتا ہوں کہ انہیں ناظرین ترجمان القرآن تک بھی پہنچا دوں تاکہ جو اللہ کے بندے درحقیقت کچھ کرنا چاہتے ہیں ان کو کام کرنے کے لیے ایک صحیح راہ مل سکے۔

میو قوم دہلی کے آس پاس الورا، بھرت پور، گورڈگانوہ اور دوسرے متصل علاقوں میں آباد ہے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اسکی مجموعی تعداد ۳۶ لاکھ سے کم نہیں ہے۔ اب سے صدیوں پہلے غالباً حضرت نظام الدین محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ اور انکے خلفاء و متبعین کی کوششوں سے اس قوم میں اسلام پہنچا تھا، مگر افسوس کہ بعد کے زمانوں میں مسلمان حکمرانوں اور جاگیرداروں کی غفلت سے وہاں اسلامی تعلیم اور اسلامی تربیت کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ حکومت کے مرکز سے اس قدر قریب آباد تھے ان میں قدیم جاہلیت کی تمام خصوصیات باقی رہیں، اور رفتہ رفتہ وہ اسلام سے اس قدر بعید ہوتے چلے گئے کہ ان میں بجز اس خیال کے کہ ”ہم مسلمان ہیں“ اور کوئی چیز اسلام کی باقی نہ رہی۔ انکے نام تک مسلمانوں کے سے نہ رہے تھے۔ تاہر سنگھ اور محبوب سنگھ

اور ٹوٹو اور اسی قسم کے ناموں سے وہ موسوم ہوتے تھے۔ انکے سروں پر چوٹیاں تھیں۔ انکے ہاں مورتیاں پوجی جاتی تھیں۔ اپنی حاجات کے لیے وہ اُہنی دیویوں کی طرف رجوع کرتے تھے جن کی پوجا قدیم زمانہ میں انکے اسلاف کیا کرتے تھے۔ اسلام سے وہ اس قدر ناواقف تھے کہ عام دیہاتی باشندوں کو کلمہ طیبہ تک یاد نہ تھا۔ حتیٰ کہ نماز کی صورت تک سے وہ نا آشنا تھے۔ کبھی کوئی مسلمان اتفاق سے انکے علاقہ میں پہنچ گیا اور اس نے نماز پڑھی تو گاؤں کے عورت مرد بچے سب اسکے گرد یہ دیکھنے کے لیے جمع ہو جاتے کہ یہ شخص کیا حرکتیں کر رہا ہے، اس کے پیٹ میں درد ہے یا اسے جنون ہو گیا ہے کہ بار بار اٹھتا بیٹھتا اور جھکتا ہے؟ اسکے ساتھ ہی انکے اندر جاہلیت کی تمام وحشیانہ علوات پائی جاتی تھیں۔ گندی اور نا صاف زندگی۔ طہارت کے ابتدائی اصولوں تک سے ناواقف۔ عورت اور مرد سب نیم برہنہ اور شرم و حیا سے عاری۔ چوری، رہنمائی، ڈکیتی اور دوسرے مجرمانہ افعال کا ارتکاب عام طور پر پھیلا ہوا۔ کسی مسافر کا بخیریت لنگے علاقہ سے گزر جانا مشکل۔ پھر ان کے قبائل اور لہجوں میں چھوٹی چھوٹی جاہلانہ باتوں پر اُسی قسم کی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں جیسی عرب جاہلیت کے حالات میں آپ پڑھتے ہیں۔ انکی آبادی مختلف حلقوں میں بٹی ہوئی تھی اور بے اوقات دو یا چند حلقوں میں کسی عورت یا کسی جانور یا کسی اور چیز پر ایسی عداوتیں برپا ہو جاتی تھیں جن کا سلسلہ مدتوں تک چلتا رہتا تھا۔ یوں اس جفاکش، بہادر اور طاقت ور قوم کی ساری پیدائشی قوتیں ضائع ہو رہی تھیں، اور وہ نہ صرف اپنے لیے ترقی و فلاح کا کوئی راستہ نہ پاتی تھی، بلکہ اپنے ہمسایوں کے لیے بھی سبب اضطراب بنی ہوئی تھی، چنانچہ جن لوگوں کو اس علاقہ کے انتظام کا تجربہ ہے وہ اعتراف کرتے ہیں کہ انگریزی حکومت اور اور دبھرت پور کی ریاستیں وہاں امن قائم کرنے اور بہتر تمدنی حالات پیدا کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ ان حالات میں جناب مولانا محمد الیاس صاحب نے وہاں کام شروع کیا اور دس بارہ سال کی

مختصر مدت میں اس قوم کے بیشتر حصہ کی کایا پلٹ دی۔ اب اس علاقہ میں تقریباً دسھائی سو مدرسے قائم ہیں جہاں دیہات کے لڑکے آکر اپنے دین سے ابتدائی واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ ان میں جو لوگ اعلیٰ درجہ کی دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں انکے لیے دہلی سے قریب اُنہی حضرت نظام الدین محبوب الہی کی بستی میں ایک مدرسہ قائم ہے، جسکی بدولت ابتداءً اس قوم کو اسلام کی نعمت میسر ہوئی تھی۔ اس مدرسہ میں نہ صرف علوم دینیہ کی تکمیل کرائی جاتی ہے، بلکہ طلبہ کو خالص دینی تربیت بھی دی جاتی ہے، اور تبلیغ و اصلاح کی عملی مشق کرانے کے لیے اُن سے آس پاس کے دیہات میں عملی کام بھی لیا جاتا ہے۔ اس مدرسے کی برکت سے خود میو قوم میں علماء اور مبلغین کی ایک معتد بہ جماعت پیدا ہو گئی ہے جو انشاء اللہ اس قوم کو دین کے راستہ پر قائم رکھنے کی ضامن ہوگی۔ مولانا نے محترم نے خود اسی قوم کے مبلغوں سے اسکی اصلاح کا کام لیا، اور ان کی پیہم کوششوں کا نتیجہ جو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، یہ ہے کہ بعض علاقوں میں گاؤں کے گاؤں ایسے ہیں جہاں ایک بچہ بھی آپ کو بے نمازی نہ ملیگا۔ دیہات کی وہ مسجدیں جہاں یہ لوگ کبھی اپنے مویشی باندھتے تھے، آج وہاں پانچوں وقت اذان اور جماعت ہوتی ہے۔ آپ کسی راہ چلتے دیہاتی کو روک کر اس کا امتحان لیں۔ وہ آپ کو صحیح تلفظ کے ساتھ کلمہ سنائے گا۔ اسلام کی تعلیم کا سیدھا سادہ حالت لباب، جو ایک بدوی کو معلوم ہونا چاہیے، آپ کے سامنے بیان کریگا، اور آپ کو بتائیگا کہ اسلام کے ارکان کیا ہیں۔ اب آپ وہاں کسی مسلمان مرد، عورت یا بچے کو ہندو نہ لباس میں نہ پائینگے، نہ اسکے جسم کو بے ستر دیکھینگے، اور نہ اس کے گھر کو، یا اس کے لباس کو نجاستوں میں آلودہ پائینگے۔ انکی عادات و خصائل اور انکے اخلاق میں بھی اسی تعلیم و تبلیغ کی وجہ سے نمایاں فرق ہو گیا ہے۔ اب وہ متمدن اور مہذب طرز زندگی کی طرف پلٹ رہے ہیں۔ جرائم میں حیرت انگیز کمی ہو گئی ہے۔ لڑائیاں، فسادات اور مقتدمات بہت کم

ہو گئے ہیں۔ ان کا علاقہ اب ایک پر امن علاقہ ہے جس کا اعتراف خود وہاں کے حکام کر رہے ہیں۔ ان کی معاشرت، ان کے لین دین، ان کے برتاؤ، غرض ہر چیز میں عظیم تغیر ہو گیا ہے جس کی وجہ سے گرد و پیش کی آبادی پر ان کا نہایت اچھا اخلاقی اثر مرتب ہو رہا ہے۔ اب وہ ذلت اور بے اعتباری کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے، بلکہ انکی عزت قائم ہوتی جا رہی ہے، اور ان کے کٹر کٹر پیر اعتماد کیا جانے لگا ہے۔

مولانا نے عام دیہاتیوں کے اندر تبلیغ و اصلاح اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ایسی اسپرٹ پیدا کر دی ہے کہ جو لوگ کل تک خود گمراہ تھے، وہ اب دوسروں کو راہ راست بتاتے پھرتے ہیں۔ کھیتی باڑی کے کاموں سے فرصت پانے کے بعد مختلف قریوں سے ان دیہاتیوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ تبلیغ کے لیے نکلتے ہیں۔ گاؤں گاؤں پہنچ کر لوگوں کو خیر و صلاح کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ان کا رخت سفر اور زاد راہ انکے کندھے پر ہوتا ہے۔ کسی پر اپنا بار نہیں ڈالتے۔ نہ کسی سے اپنے لیے کچھ طلب کرتے ہیں۔ محض اللہ کی خوشنودی انکے مد نظر ہوتی ہے اور بے غرضانہ کام کرتے ہیں، اس لیے جہاں جاتے ہیں، دیہات اور قصبات آبادیوں پر ان کا غیر معمولی اثر ہوتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ بسا اوقات یہ لوگ پیدل گشت کرتے ہوئے دو دو سو میل تک چلے جاتے ہیں اور جن جن بستیوں پر سے ان کا گزر ہوتا ہے وہ مذہبی بیداری اور کلرے نماز کے نور سے منور ہوتی ہیں۔ خود مجھ کو بھی ان میں سے بعض یدوی مبلغین سے بات کرنے کا اتفاق ہوا، اور انکی سیدھی سادی زبانوں سے جب میں نے ان کے مقاصد اور ارادے سنے تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ آغاز اسلام میں عرب کے بدوؤں کو جس روح نے مراۃ مستقیم کی تبلیغ کے لیے اٹھایا تھا وہی روح ان لوگوں میں پیدا ہو رہی ہے۔ ایک جاہل کسان سے میں نے پوچھا کہ تم کیوں دورے کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ :-

”ہم چہالت میں پڑے ہوئے تھے۔ نہ ہم کو خدا کی خبر تھی نہ رسول کی۔ اس مولوی کا خدا بھلا کرے کہ اس نے ہمیں سیدھا راستہ بتایا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ اپنے دوسرے بھائیوں تک بھی یہ نعمت پہنچائیں جو ہمیں ملی ہے“

یہ الفاظ سن کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ یہی جذبہ تو تھا جس سے مخمور ہو کر صحابہ کرام اٹھے، غمے، اور اس طرح سے اٹھے تھے کہ انہیں اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ رہتا تھا۔

اس دینی اصلاح نے میواتی قوم کے اُس قبائلی انتشار کو بھی بڑی حد تک دور کر دیا ہے جس نے اب تک اُن کی قوتوں کو پرانہ کر رکھا تھا۔ دیہات میں وقتاً فوقتاً جلسے ہوتے ہیں جن میں بیس بیس پچیس پچیس کو سس لوگ شریک ہونے کے لیے آتے ہیں۔ آٹھ آٹھ دسل دسل ہزار کا مجمع ہو جاتا ہے۔ ایک جگہ بیٹھ کر دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور وہیں ان کے آپس کے جھگڑے بھی چکائے جاتے ہیں۔ پھر دیہات جو تبلیغی جماعتیں نکلتی ہیں وہ نہ صرف دین کی تعلیمات پھیلاتی ہیں، بلکہ ساتھ ہی ساتھ خود بخود باہمی اخوت و محبت کے تعلقات بھی قائم کر لیتی ہیں۔ اس طرح قبائلی تفرقہ کی جگہ رفتہ رفتہ قومی وحدت پیدا ہو رہی ہے، اور ایک ایسی تنظیمی مہیت وجود میں آتی جا رہی ہے جس سے آگے چل کر بہت سے کام لیے جاسکتے ہیں۔ تنظیم کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہے کہ کثیر المتعداد افراد ایک آواز پر مجتمع ہوں اور ایک آواز پر حرکت کرنے لگیں۔ یہی چیز وہاں پیدا ہو رہی ہے اور بڑی حد تک پیدا ہو چکی ہے۔

یہ قابل قدر نتائج جو گنتی کے چند یروں میں برآمد ہوئے ہیں، محض ایک مخلص آدمی کی محنت و کوشش کا ثمرہ ہیں۔ وہاں نہ کوئی کمیٹی ہے۔ نہ چندہ ہے۔ نہ اس تحریک کا کوئی جداگانہ نام ہے۔ نہ اسکے ممبر بھرتی کیے جاتے ہیں۔ نہ کوئی امیروں میں پشت پر ہے۔ نہ کوئی اخبار نکلتا ہے۔ نہ قواعد پر پڑ اور یونیفارم اور باجوں اور جھنڈوں کے نمائشی مظاہرے ہوتے

ہیں۔ نہ اپنے کارناموں کا اشتہار دیا جاتا ہے۔ خاموشی کے ساتھ ایک سیدھا سا مولوی ایک مسجد میں بیٹھا ہوا کام کر رہا ہے۔ اُس غریب کو نمائش اور پروپیگنڈا کے جدید مغربی طریقے بالکل نہیں آتے۔ نہ اس نے آج تک اسکی ضرورت ہی محسوس کی کہ اس کے کاموں کا ڈھول دنیا میں پیٹا جائے۔ ایک خالص دینی جذبہ ہے جو اس سے یہ کام لے رہا ہے، اور ایک دھن ہے جس میں وہ رات دن لگا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس اکیلے آدمی نے جو ٹھوس کام کیا ہے، وہ ہماری ان بڑی بڑی انجمنوں اور اُن بلند بانگ تحریکوں سے آج تک بن نہ آیا جن کے نام آپ رات دن اخباروں میں سنتے رہتے ہیں۔ حقیقتہً اس نوعیت کی تحریک ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں یا تو حضرت شیخ احمد مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھائی تھی، یا حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا احیا کیا، یا اب مولانا محمد الیاس صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اسے تازہ کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ میرا مقصد اس تحریک کے حالات بیان کرنے سے یہ نہیں ہے کہ جو اشتہار اب تک ہوا تھا وہ اب ہو جائے۔ بلکہ میں اس ذریعہ سے ان لوگوں کو جو نمائش کے طالب نہیں ہیں، اور دین و ملت کی کوئی حقیقی خدمت انجام دینے کے خواہشمند ہیں، چند اہم امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں :-

۱) اس وقت ہندوستان کے مسلمان عام طور پر جس حالت میں مبتلا ہیں وہ اسکی متقاضی ہے کہ ان کو از سر نو اسلام کی طرف دعوت دی جائے، اور پھر سے اُس طرح مسلمان بنایا جائے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو بنایا تھا۔ ان کا اخلاقی تنزل، ان کی دینی سرد مہری، انکی احکام اسلام سے غفلت، انکی قوتوں کا انتشار، انکے خیالات کی پراگندگی، ان کا مختلف راستوں پر بھٹکنا اور رہبر و رہنما میں امتیاز کیے بغیر ہر پکارنے والے کی آواز پر دوڑ چلنا، یہ سب نتائج ہیں اس ایک چیز کے کہ یہ لا الہ الا اللہ کے مرکز سے ہٹ گئے ہیں۔ ہماری بنیادی غلطی،

جس کی وجہ سے ہماری تمام مفید تحریکیں ناکام ہو رہی ہیں، یہی ہے کہ لفظ ”مسلمان“ جو ان کے لیے بولا جاتا ہے، اس سے ہم دھوکا کھا جاتے ہیں، اور انکو واقعی و حقیقی مسلمان سمجھ کر ان سے توقع رکھتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی طرح کام کریں گے۔ ہم ان کے سامنے خدا و رسول کے احکام بیان کر کے امید رکھتے ہیں کہ یہ اُس طرح ان کے آگے سر جھکا ئیں گے جس طرح ایک مسلمان کو جھکانا چاہیے، حالانکہ حقیقت یہ احکام کے مخاطب نہیں ہیں بلکہ کلمہ طیبہ کے مخاطب ہیں۔ ان کے دلوں میں کلمہ لا الہ الا اللہ ہی نہیں اترتا ہے، پھر ان سے احکام کی وہ اطاعت، اور وہ مسلمانہ روش کیونکر ظاہر ہو سکتی ہے جو محض اس کلمہ پر ایمان لانے کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مولانا محمد ایسا صاحب کی کامیابی کا اولین سبب یہی ہے کہ انہوں نے کلمہ طیبہ کی تبلیغ سے کام کی ابتدا کی، پھر جو لوگ اس پر ایمان لائے وہ ہر حکم کی تعمیل کرتے چلے گئے جو ان کو خدا اور رسول کی طرف سے سنا یا گیا۔ وہ لوگ حقیقت میں نو مسلم ہیں، اور یہ تو مسلم ہی کی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ جان بوجھ کر بالارادہ جس چیز پر ایمان لاتا ہے اسکے مقتضیات کو بطور رغبت پورا کرتا ہے۔ اب جو لوگ دین کا احیاء چاہتے ہیں ان کے لیے اس سوا کوئی راہ عمل نہیں ہے کہ مسلمانوں کو مسلمان فرض کر کے آگے کی منزلوں پر پیش قدمی کرنے کا طریقہ چھوڑ دیں، اور ان میں از سر نو پہلے قدم سے دین کی تبلیغ شروع کریں۔

(۲) موجودہ حالات اسکے لیے سازگار نہیں ہیں کہ کوئی آل انڈیا نظام بنا کر کام کیا جائے۔ سر دست یہی مناسب ہے کہ جو جہاں بیٹھا ہے وہیں اپنے اطراف نواح یا اپنے قبیلہ کے لوگوں کو مسلمان بنانے کا کام شروع کرے، اور اپنے اندر حقیقی قوت و استعداد پاتا ہو اُسی کے لحاظ سے اپنے کام کا ایک دائرہ معین کرے۔ اپنی استطاعت سے زیادہ پھیل کر کام کرنے کی کوشش کرنا، آدمی کی قوتوں کو منتشر کر دیتا ہے، اور پورے کی فکر میں ادھور اکام بھی نہیں ہوتا۔ لہذا مخلص کارکنوں کو جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے حلقے بنا کر کام کرنا چاہیے۔ اگر حقیقت میں خلوص کار فرما ہو گا اور ذاتی خواہشات کا غلبہ نہ ہو گا

تو بعد کو یہ مختلف حلقے بڑی آسانی کے ساتھ ایک بڑے نظام میں منسلک ہو سکیں گے۔ اپنی انفرادیت برقرار رکھنے پر اصرار وہیں ہوتا ہے جہاں نفسانیت کی کھوٹ موجود ہوتی ہے۔

(۳) انجمن بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی علیحدہ نام رکھ کر کام کرنا بجائے مفید ہونے

کے مضر ہوتا ہے، کیونکہ اس سے غیر شعوری طور پر لوگوں میں یہ ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ

اسلام میں نہیں بلکہ فلاں نام کی جماعت میں داخل ہو رہے ہیں۔ ایسے بہتر یہ ہے کہ سید

سادے طور پر اسلام — اُسی پرانی اور اصلی جماعت — ہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیجائے

اور جب وہ اس میں داخل ہوں تو انہیں بتا دیا جائے کہ تم میں اور عام مسلمانوں میں اس کے سوا

کوئی فرق نہیں کہ تم شعوری مسلمان ہو، اور وہ ابھی تک بے شعور مسلمان ہیں۔ تمہارا فرض یہ ہے

کہ ان کو بھی شعوری اسلام کی نعمت میں شریک کرو تاکہ تمہاری جماعت وسیع ہو۔ اب یہ ظاہر ہے

کہ جو لوگ اس طرح سے ایک جماعت میں شریک ہوتے جائیں گے ان کے اندر آپ سے آپ ایک

تنظمی ہئیت پیدا ہوتی چلی جائیگی، اور قدرتی طور پر ان کا داعی اول ہی ان کا لیڈر ہوگا، اور وہاں

ایک بانٹا بٹھکے سے زیادہ اچھی عملی تنظیم پائی جائیگی، بشرطیکہ لیڈر خود اپنی امارت قائم کرنے کا

خواہشمند نہ ہو، بلکہ امارت کا نشوونما اس طور پر ہو جیسے بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے۔

(۴) علیٰ ہذا یہ بھی مناسب نہیں کہ نمائشی کام کے اُن طریقوں کی پیروی کی جائے جو آج

کل کثرت سے رائج ہو رہے ہیں اور جنہوں نے عموماً مادہ غوں کو مسحور کر رکھا ہے۔ لوگ اب یہ

سمجھنے لگے ہیں کہ جھنڈے، نعرے، وردیاں، پریڈ، سڑکوں پر مارچ کرنا اور مصنوعی جنگیں کرنا

جن کا مجموعی نام عسکری تنظیم رکھا گیا ہے، کامیابی کے لیے ضروری ہیں، کیونکہ یہی چیزیں عوام کو کھینچتی

ہیں، اور انہی کے لاگ سے ہزاروں لاکھوں آدمی جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح لوگوں میں یہ

خیال بھی پیدا ہو گیا ہے کہ جو شخص کسی تحریک کو چلائے اسکے لیے ایک اخبار بھی ضروری ہے جس کے

ذریعہ سے وہ باہر کی دنیا کو ہمیشہ اپنے کارناموں کی رپورٹیں پہنچاتا رہے، کیونکہ اگر دنیا کو یہ معلوم ہی نہ ہوا کہ آپ نے اتنے ہزار پمفلٹ اتنی زبانوں میں شائع کیے ہیں، یا یہ کہ فلاں جگہ کسی بڑھیا کا گھر حل رہا تھا اور آپ کے خادمان خلق نے وہاں پہنچ کر اس پر اتنی بالیٹیاں بانی کی ڈالیں، یا یہ کہ آپ کے متبعین کی تعداد کس رفتار سے بڑھ رہی ہے اور کہاں کہاں آپ کے کارکن کیا کیا خدمات انجام دے رہے ہیں، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ کی ساری محنتیں رائیگاں ہی گئیں۔ آج کل کی بعض تحریکوں نے کچھ ایسا جادو لوگوں کے دماغوں پر کر دیا ہے کہ بعض مخلص آدمی بھی جب کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو ان کا ذہن خواہ مخواہ اسی طرز کار روانی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ لیکن میں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ اہل اخلاص کا یہ طریق کار کبھی نہیں رہا، اور نہ اس طرز پر کوئی ٹھوس کام دنیا میں ہو سکتا ہے۔ ایک لمبی نوک دار ٹوپی پہن کر بازار میں کھڑے ہو جائیے، اور گھنٹی بجائیے۔ آن کی آن میں بہت سے آدمی آپ کے گرد جمع ہو جائینگے۔ مگر کیا اس طریقہ سے جمع ہونے والی بھیر سے آپ اس کے سوا کوئی اور کام بھی لے سکتے ہیں کہ بس اپنی چند دوائیں بیچ لیں۔ اس مثال سے سمجھ لیجیے کہ ظاہر فریب تدبیروں سے قماش پسند لوگوں کا جو ہلٹر برپا ہوتا ہے وہ کوئی جہاں تک طاقت نہیں بن سکتا۔ اس کے لیے تو صحیح طریقہ وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام اختیار کرتے تھے۔ یعنی یہ کہ ایک شخص خالص خدا کی خوشنودی کے لیے پتا مار کر ایک جگہ بیٹھے، خاموشی کے ساتھ دعوت و اصلاح کا کام کرے، رفتہ رفتہ لوگوں کے دل اور انکی زندگیاں بدلے، اور برسوں کی لگاتار محنت سے مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کرے جو تعداد کے اعتبار سے چاہے مٹی بھر ہی ہو، مگر ایمان اور عمل صالح کی دولت سے بہرہ ور ہو۔ ایسے آدمیوں میں عقیدہ کی جو حرارت اور کیر کسٹری کی جو صلابت ہوگی، اور احکام شرعیہ کی پابندی سوان میں منظم اور منضبط طریقہ پر کام کرنے کی جو مستقل عادات پیدا ہونگی، وہی درحقیقت عسکریت کی اصلی

صرح ہیں۔ اور یہی عسکریت ہم کو مطلوب ہے۔

(۵) جہاں تک عوام میں کام کرنے کا تعلق ہے، میرے نزدیک اس کے لیے وہ طریق

عمل سب سے بہتر ہے اور انبیاء کے طریق عمل سے مشابہ ہے جس سے مولانا محمد ایاس صاحب نے کام لیا ہے۔ جو لوگ اس طریقہ پر کام کرنا چاہتے ہوں، ان کو میں مشورہ دوں گا کہ مولانا کے پاس جا کر ان کے

کام کا بڑھنگ دیکھیں، ان کے مبلغوں کے ساتھ تعاون کر کے عملی سبق حاصل کریں اور پھر اپنے اپنے

علاقوں میں اسی طرز پر دعوت و اصلاح شروع کر دیں۔ اس طرز عمل کے متعلق جو بات اچھی طرح

ذہن نشین کر لینی چاہیے وہ یہ ہے کہ اس میں ابتداء بڑے صبر کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے۔ یہاں مہمیلی

سرسوں نہیں جمتی۔ بسا اوقات چند کام کے آدمی پیدا کرنے میں برسوں بیت جاتے ہیں، اور بار بار

یہ خیال کر کے آدمی کا دل ٹوٹنے لگتا ہے کہ اس کا مشن ناکام رہا۔ ان سختیوں سے گزرنے کے بعد

کہیں کامیابیوں کا ظہور ہوتا ہے۔

(۶) جو لوگ عوام میں کام کرنا چاہیں، ان کے لیے دیہی علاقے بہ نسبت شہروں کے زیادہ

بہتر ہیں۔ ہماری شہری آبادیوں کا مزاج ان ہنگامی تحریکوں نے بہت بگاڑ دیا ہے جو آج کل باؤں

کی طرح پھیل رہی ہیں۔ ان تحریکوں کی وجہ سے لوگ نمائش، ریا اور ہنگامہ کے خوگر ہو گئے ہیں،

اور کسی ایسی تحریک کی طرف بشکل راغب نہیں ہوتے جو ان کے ظاہر کی بہ نسبت ان کے باطن کی طرف

زیادہ توجہ کرنے والی ہو، اور جو انہیں اندر سے بدل کر ایک مضبوط سیرت کی تخلیق کرنا چاہتی ہو۔ لہذا

اسب یہ ہے کہ شہروں کو سردست ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اور دیہات کی آبادیوں کو درست

کیا جائے جہاں ابھی تک سادہ فطرت رکھنے والے اثر پذیر لوگ پائے جاتے ہیں۔ تاہم جن لوگوں

کو اپنے لیے شہروں میں کامیابی کا کوئی موقع نظر آتا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھانے میں تامل بھی کریں

(۷) عوام میں کام کرنے والوں کو یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اسلام کا پیغام ان لوگوں تک

محدود نہیں ہے جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہو گئے ہیں بلکہ سارے انسانوں کے لیے عام ہے، لہذا انہیں مسلم اور غیر مسلم سب کے پاس اس پیغام کو لے کر پہنچنا چاہیے۔ لیکن غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لانے کے لیے تین باتیں ضروری ہیں:

اولاً، ہمیں اُن موانع کو دور کرنا چاہیے جن کی وجہ سے غیر مسلموں میں اسلام کے خلاف شدید تعصب پیدا ہو گئے ہیں۔ انگریزی حکومت کے اثرات سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جو سیاسی، معاشی اور معاشرتی رقابتیں پیدا ہو گئی ہیں، ان کا اثر دیہات کی زندگی تک گہرا اثر گیا ہے، اور آئے دکن فسادات اور کشمکشوں نے ایسی منافرت دونوں گروہوں کے درمیان پیدا کر دی ہے کہ یہ دو مقابل کے کیمپ بن گئے ہیں۔ ان حالات میں عام غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچنا مشکل ہے، کیونکہ ان کے دل کے دروازے اس پیغام کے لیے مقفل ہو چکے ہیں۔ اب جو لوگ تبلیغ حق کا فرض انجام دینا چاہتے ہوں ان کو سب سے پہلے اس قفل کی کنجی ڈھونڈنی چاہیے، اور وہ کنجی یہی ہے کہ ان رقابتوں، عداوتوں اور کشیدگیوں کو کم کیا جائے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں میں پیدا ہو گئی ہیں۔ مسلمانوں میں عام طور پر یہ ذہنیت پیدا کرنی چاہیے کہ انکی تنظیم و اصلاح کا مقصد غیر مسلم ہمایوں کے مقابلہ میں قومی مسابقت کے لیے تیاری کرنا نہیں ہے، بلکہ خود مسلمان بننا اور دوسروں تک اسلام کی نعمت کو پہنچانا ہے۔ ہر مسلمان میں انصاف پسندی، فیاضی، ہمدردی، ملاطفت کے جذبات پیدا ہونے چاہئیں، اور اسے غیر مسلموں کو اس نظر سے دیکھنا چاہیے کہ یہ ہمارا بھائی ہیں جو روحانی اور اخلاقی بیماری میں مبتلا ہیں، اور ہمارا کام یہ نہیں ہے کہ انہیں بیمار رہنے دیں اور ان سے پرہیز کریں، بلکہ یہ ہے کہ انہیں بیماری سے بچا کر تندرستوں میں شامل کریں۔

ثانیاً، عام مسلمانوں کو اپنے اخلاق، اپنے معاملات اور اپنے طرز زندگی کے اعتبار سے اتنا بلند ہونا چاہیے کہ محض ان کو دیکھ کر ہی ہر وہ شخص ان سے متاثر ہو جائے جس کی فطرت

میں نیکی، سچائی، راستبازی، انصاف، حسن اخلاق، صفائی و ستھرائی، اور پاکیزہ طرز زندگی کی قدر پہچاننے کی کچھ بھی استعداد موجود ہو۔ اگر عامہ مسلمان میں یہ اوصاف پیدا ہو جائیں، اور غیر مسلم باشندے اپنے گرد و پیش کی مسلمان آبادی کو اخلاقی حیثیت سے اپنے مقابلہ میں برتر پانے لگیں تو یقین جانیے کہ کسی کو ان سے یہ کہنے کی بھی ضرورت پیش نہ آئیگی کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ان میں جتنے راستی پسند لوگ موجود ہیں (اور کونسی قوم ایسی ہے جس میں ایسے لوگ نہیں ہوتے) وہ خود بخود اُس جماعت میں شامل ہونے کی خواہش کریں گے جسکے اصول زندگی انسان کو اتنا بلند و برتر بنادیتے ہوں۔ لہذا عام مسلمانوں میں یہ ذہنیت پیدا کرنی چاہیے کہ وہ ہر وقت اپنے آپ کو اسلام کا نمائندہ سمجھیں، اور زندگی کے ہر معاملہ میں یہ سمجھتے ہوئے کام کریں کہ ان کی ہر حرکت اسلام کے برحق ہونے یا نہ ہونے کے متعلق رائے قائم کی جاتی ہے۔

ثالثاً، عام مسلمانوں میں ہندوانہ اثرات کے تحت اونچ نیچ اور چھوت چھات کے جو خیالات پیدا ہو گئے ہیں ان کی یزخ کنی کرنی چاہیے، اور انہیں اس بات پر آمادہ کرنا چاہیے کہ غیر مسلم کو خواہ وہ کسی طبقہ کا ہو، بالکل مساویانہ حیثیت اپنے نظام معاشرت میں لے لیں، اور کسی حیثیت سے اس کے ساتھ امتیاز نہ برتیں، حتیٰ کہ اس سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنے میں بھی تامل نہ کریں۔

(۸) یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بس مذہبی اور اخلاقی حالت کی اصلاح، اور اسلامی نظام جماعت کا قیام ہی وہ آخری منزل ہے جس پر پہنچ کر ہمارا کام ختم ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ پہلی منزل ہے جسے طے کرنے کے بعد آگے بڑھنے کے لیے راستہ کھلتا ہے۔ کلمہ طیبہ پر ایمان اور اس مرکز پر منتشر قوتوں کا مجتمع ہونا، اور احکام شریعت کی پابندی سے لوگوں کے اندر انضباط اور منظم عادات و خصائل کا پیدا ہو جانا تو دراصل وہ چیز ہے جس سے زمین ہموار ہوتی ہے تاکہ اس پر عمارت تیار کی جاسکے۔ جہاں یہ زمین ہموار ہو جائے، جیسے میوات کے علاقہ میں اس وقت

ہو چکی ہے۔ وہاں اُن لوگوں کے لیے کام کا موقع ہے جنہوں نے تنظیم سٹون انسانی کے جدید طریقوں کی تعلیم حاصل کی ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہاں جا کر مذہبی مصلحین کے ساتھ تعاون کریں۔ اس علاقہ میں علم کی روشنی پھیلانے۔ وہاں کے عوام میں سیاسی بیداری اور شعور پیدا کریں۔ ان کی معاشی حالت درست کرنے کی کوشش کریں اور اسلامی اصول پر مالیات کا ایک نیا نظام تعمیر کریں۔ غرض مختلف پہلوؤں سے اس علاقہ کے لوگوں کو ترقی کے راستہ پر لگائیں، اور ان کو ایک ایسی مضبوط اور منظم حالت تک پہنچا کر دم لیں جس کا طبعی نتیجہ یہ ہو کہ خدا اپنی خلافت سے ان کو سرفراز فرمادے اور وہ زمین کے صالح وارث (نہ کہ غاصب مملک) بن جائیں۔

رسالہ ترجمان القرآن کے پرانے پرچے

ترجمان القرآن اپنے مضامین کی بلندی و علمی حیثیت کا سکہ ہندوستان بھر میں بٹھا چکا ہے اور اہل علم کے طبقے میں انتہائی قدر و منزلت اور عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اگر آپ شروع سے اس کے مضامین فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ تو حیدرآباد جلد فرمائش بھیج دیجیے۔ اس وقت صرف ذیل کے پرچے دستیاب ہو سکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۸ ر

- ۵۲۔ صفر۔ ربیع الاول۔ ربیع الثانی۔ جمادی الاولیٰ۔ جمادی الآخرہ۔ رجب۔ شوال۔ ذی القعدہ۔
 ۵۳۔ محرم۔ صفر۔ ربیع الاول۔ ربیع الآخرہ۔ جمادی الاولیٰ۔ جمادی الآخرہ۔ رجب۔ شعبان۔ رمضان۔
 شوال۔ ذی القعدہ۔ ذی الحجہ۔ رجب۔ شعبان۔ رمضان۔ شوال۔ ذی القعدہ۔
 ۵۴۔ جمادی الاولیٰ۔ جمادی الآخرہ۔ رجب۔ شعبان۔ رمضان۔ شوال۔ ذی القعدہ۔
 ۵۵۔ محرم۔ صفر۔ ربیع الاول۔ ربیع الآخرہ۔ جمادی الاولیٰ۔ جمادی الآخرہ۔ رجب۔ شعبان۔ رمضان۔ شوال۔
 ذی القعدہ۔ ذی الحجہ۔ محرم۔ جمادی الاولیٰ۔ جمادی الآخرہ۔ رجب۔ شوال۔ ذی القعدہ۔ ذی الحجہ۔
 ۵۶۔ محرم۔ صفر۔ ربیع الاول۔ ربیع الآخرہ۔ جمادی الاولیٰ۔ جمادی الآخرہ۔ رجب۔ شعبان۔
 ۵۷۔ محرم۔ صفر۔ ربیع الاول۔ ربیع الآخرہ۔ جمادی الاولیٰ۔ جمادی الآخرہ۔ رجب۔ شعبان۔

پانچواں رسالہ ترجمان القرآن - لاہور